تعاون دوطرفہ ہونا چاہئے

ایوان صدر اسلام آباد میں ''پیغام پاکستان کانفرنس'' سے خطاب

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہم، امیر جمعیت علمائے اسلام پاکستان

ضبط وترتیب: خالد شریف ہزاروی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم . اما بعد

جناب صدر مملکت، وزراء حضرات، علماء ومشائخ عظام اور اس تقریب میں موجود تمام اہل علم، اداروں سے وابستہ اہم شخصیات اور میرے بھائیو اور بہنو!

یہ ایک مبارک موقع ہے جب ریاست کی نگرانی میں مملکت کے زیر سایہ تمام مکاتب فکر جمع ہیں۔ مختلف سیاسی جماعتوں کے نمائندے یہاں جمع ہیں، حکومت اور حزب اختلاف سے تعلق رکھنے والے حضرات یہاں جمع ہیں اور ریاست کے ساتھ اپنی بھرپور اور گہری وابستگی و وفاداری کا اظہار کر رہے ہیں۔ اسے ''پیغام پاکستان'' کا نام دیا گیا اور یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی کہ ہم عالمی برادری کو اور اسلامی برادری کو یہ باور کرا سکیں کہ ہم ایک پرامن ملک ہیں، پوری قوم امن چاہتی ہے اور امن کو سبوتاژ کرنے والوں کے مقابلے میں پوری قوم سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہے۔

امن وسکون زندگی کا فطری تقاضا ہے:

میرے محترم بزرگو اور دوستو!

انسانی معاشرے میں اور حیات اجتماعی میں امن وسکون اللہ تعالیٰ کی طرف سے فطری زندگی کا تقاضا ہے، انسانی فطرت تقاضا کرتی ہے کہ جب وہ مدنی الطبع ہے، مل جل کر رہنا پسند کرتا ہے، ریاستوں کی صورت میں، شہروں کی صورت میں، دیہات کی صورت میں، محلوں کی صورت میں تو پھر انہیں ایک دوسرے کی عزت، جان و مال کے حقوق کا لحاظ رکھنا ہے، احترام کرنا ہے اور اسی مقصد کے لیے قوانین اور دساتیر وجود میں لائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت بڑی واضح ہے کہ رب العزت کیا چاہتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں جو قوتیں سازشیں کرتی تھیں، فساد برپا کرنے

کے لئے، اللہ تعالیٰ نے اس کی تعبیر ان الفاظ میں فرمائی:

كُلَّمَا اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ۔ ان لوگوں نے جب بھی جنگ کی آگ بھڑکانا چاہی تو اللہ نے اس کو بجھایا ہے، رب کی مشیت ایک پرامن ماحول دینا ہے، حضرت انسان کو اللہ نے پیدا کیا تو اسے لفظ خلیفہ سے تعبیر کیا اور جب انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نیابت کے عظیم الشان منصب پر فائز کیا تو مقصود انسانی معاشرے میں انصاف، عدل اور امن کا قیام تھا، حقوق کا تحفظ تھا، جان و مال، عزت و آبرو کا تحفظ تھا، لیکن انسانی تخلیق کے عناصر کو سامنے رکھتے ہوئے ملائکہ نے ضرور اس شبہ کا اظہار کیا کہ:

قَالُوْا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ...... آپ ایک ایسی مخلوق پیدا کرنا چاہتے ہیں جو زمین میں فساد پھیلائے گی اور خون بہائے گی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی اس رائے اور شک اور گمان کے علی الرغم فرمایا: **قَالَ اِنِّيْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ** میں جو کچھ کر رہا ہوں، ٹھیک کر رہا ہوں۔

کیا ہمیں اپنی ذمہ داری کا احساس ہے؟

کیا ہم نے کبھی اس ذمہ داری کا احساس کیا ہے کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے ریاست کو وجود میں لا کر قرارداد مقاصد کے ذریعے ہم نے جو پہلا عہد اپنی قوم کے ساتھ کیا، وہ یہی تھا کہ قوم کے نمائندوں کے ذریعے اللہ کی نیابت کرتے ہوئے قومی و اجتماعی زندگی قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق گزاری جائے گی؟!۔ اس حوالے سے علمائے کرام کی کوششیں ہیں، مختلف مکاتب فکر کی کوششیں ہیں اور ریاست نے جب بھی تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام کو اتحاد کے لیے دعوت دی ہے، انہوں نے لبیک کہا ہے، پھر بھی الزام انہی کے اوپر ہے کہ آپ مذہبی لوگ ہی فساد کی جڑ ہیں۔ 1951ء میں 22 نکات ملکی نظام کے لیے بطور اساس کے اور اصول کے تمام مکاتب فکر نے متفقہ طور پر تجویز کیے تھے، حضرت مولانا تنویر الحق تھانوی تشریف فرما ہیں، انہی کے گھر پر اجتماع ہوا، جیکب لائن کراچی میں۔ نکات کا وہ مجموعہ آج بھی ہماری دستاویز ہے۔ کیا ملکی تاریخ میں ہم نے ان 22 اصولوں کو ریاستی پالیسی اور نظام کی بنیاد بنانے پر توجہ دی ہے؟ قرارداد مقاصد پر اتفاق، 22 نکات پر اتفاق اور جب ملک کو متفقہ آئین ملا تو پارلیمنٹ کے اندر تمام مکاتب فکر نے اس آئین کو ایک متفقہ اسلامی آئین کے طور پر قوم کے سامنے رکھنے میں جو کردار ادا کیا، کس سے مخفی ہے؟ یہاں سوال پیدا کیا جاتا رہا کہ اسلام تو ہم سب چاہتے ہیں لیکن کس کا اسلام؟ سنی کا اسلام، شیعہ کا اسلام، بریلوی کا اسلام، دیوبندی کا اسلام، سلفی کا اسلام، کس کا اسلام ہمیں چاہیے؟ اس کا جواب دیا گیا اور باقاعدہ اسلامی نظریاتی کونسل قائم کی گئی، مسئلہ اعتقادات کا ہو تو اس کا تعلق فرد کے ساتھ ہے، مسئلہ عبادات کا ہو تو اس کا تعلق فرد کے ساتھ ہے، لیکن قوم کو جس نظام کی ضرورت ہے، حیاتِ اجتماعی میں ہمیں جس نظام

کی ضرورت ہے، اس پر اتفاق رائے پیدا کرنے کے لئے آئینی ادارہ قائم کیا گیا، تمام مکاتب فکر اس میں موجود ہیں، ماہرین آئین اس میں موجود ہیں، سینئر وکلاء اس میں موجود ہیں اور آج تک اس کی جتنی بھی سفارشات ہیں، تمام مکاتب فکر کے جو نمائندے کونسل کے اندر ہیں، ان کے اندر بھی متفقہ ہیں اور جو باہر مکاتب فکر ہیں، ان کے اندر بھی متفقہ ہیں، لیکن 1973ء سے لے کر آج تک جب ہم اور آپ ایک بیانیہ پر متفقہ رائے کا اعلان کر رہے ہیں، ان تمام بیانیوں کی ایک سفارش پر بھی قانون سازی کی نوبت اب تک نہیں آئی، اس کا ذمہ دار کون ہے؟ کس کو ٹھہرائیں اس کا ذمہ دار؟ ہمیں مصروف کریں آپ، ملک کے لیے، ریاست ہماری خدمات حاصل کرے، تاکہ ملک کو حقیقی معنوں میں ایک اسلامی ریاست بنائیں، یہ ہمارا موقف ہے۔

ہم نے تمام منفی چیزوں سے براءت کا اعلان کیا:

جمعیۃ علماء اسلام نے پشاور میں 25 ہزار علماء کرام کو اکٹھا کیا، صوبے کے کسی پہاڑ کی چوٹی پر اگر چھوٹا سا مدرسہ ہے، اس کے عالم دین کو بھی بلایا اور متفقہ طور پر ایک بیانیہ جاری کیا، جس میں تمام منفی چیزوں سے برات کا اعلان کیا گیا، یہ مسلح جنگ اور یہ خود کش آئین سے ماورا جو کچھ بھی ہے، سب کو پوری قوت سے مسترد کر دیا گیا اور آئین کے مطابق ملک کے اندر کردار ادا کرنے کے عزم کا اظہار کیا۔ لاہور میں تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام نے متفقہ اعلامیہ جاری کیا اور اس کا مسودہ میں نے خود لکھا تھا، مکمل اتفاق کے ساتھ اس کو قبول کیا گیا۔ اس وقت اس اجلاس میں ہمارے شہید مولانا سرفراز نعیمی صاحب بھی موجود تھے، یہ سارا عمل اتفاق رائے کے ساتھ ہوا۔ لاہور میں جامعہ اشرفیہ کے اندر وفاق المدارس العربیہ کے تمام علمائے کرام دونوں طرف سے اکٹھے ہوئے اور ایک جامع اعلامیہ جاری کیا، جس میں یہاں تک لکھا گیا اور تمام نے اتفاق رائے کے ساتھ اس پر دستخط کر دیے کہ پاکستان میں مسلح جنگ غیر شرعی ہے، ہر طرف سے اس پر اتفاق ہے، ہمیشہ اتفاق رائے رہا ہے، ووٹ کی شرعی حیثیت پر سب سے پہلے فتویٰ مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے دیا تھا اور آج بھی ان کے فتاویٰ موجود ہیں، علمی رائے بھی تھی، ہمارے تمام اکابر پارلیمنٹ سے وابستہ رہے ہیں، پارلیمانی سیاست سے وابستہ رہے ہیں، ہم آج بھی کے اس بیانیے پر اتفاق کرتے ہیں، بندوق کے ذریعے شریعت کا مطالبہ غلط ہے، جو لوگ اس قسم کا مطالبہ بندوق کے ذریعے کرتے ہیں، ان سے ہزار ہزار مرتبہ برأت کا اعلان، لیکن سوال یہ ہے کہ جمہوریت اور پارلیمان کے راستے سے، جائز راستے سے، مجھے کب شریعت ملے گی؟ آئینی راستے سے۔ میری یہ تشنگی کب دور ہوگی، ریاست اس کا بھی احتساب کرے...... میرا احتساب تو کرتی ہے، اپنا بھی احتساب کرے۔ مجھ سے تو روز روز لکھوایا جاتا ہے کہ ”میں پاکستان کا وفادار ہوں۔“

میری ڈاڑھی اور پگڑی پر اعتماد کب کیا جائے گا؟

ریاست اور شہری کے درمیان ایک رابطہ ہوتا ہے، جہاں ریاست شہری کی جان، مال اور حقوق کا تحفظ کرتی ہے، جہاں ریاست ایک سایہ ہے، وہاں فرد اپنی وفاداری کا مظاہرہ کرتا ہے، میں نے آپ کے سامنے تین ان دستاویزات کی بات کی، جن میں خود حصہ تھا، حضرت مفتی صاحب (مفتی منیب الرحمٰن صاحب) کا فتویٰ اس کے علاوہ ہے۔ان کے علاوہ دیگر علماء نے بھی بار بار اس موضوع پر کام کیا ہے، اس تمام کے باوجود سوال یہ ہے کہ میرا مدرسہ، میری مسجد، میرے مدرسے کا استاد، میرے مدرسے کا طالبعلم، میرے مدرسے کا قرآن وسنت کا نظام تعلیم، میری ڈاڑھی اور پگڑی پر اعتماد کب کیا جائے گا؟......وہ دن بھی تو بتا دو ہمیں!۔اعتماد دوطرفہ ہونا چاہیے، مدارس پر روزانہ چھاپے لگائے جا رہے ہوں، آدھی رات میں طلباء کو اٹھا کر میدان میں لایا جاتا ہے، تشدد کیا جاتا ہے، مارا پیٹا جاتا ہے۔میں نے ساری سیاسی اور مذہبی زندگی اس موقف پر گزاردی ہے کہ میں دہشت گردوں اور ان مسلح تنظیموں کو اور اسلحہ کے ذریعے شریعت کی بات کرنے والوں کو تنہا کردوں اور ہم نے انہیں تنہا کیا ہے الحمدللہ، آج تمام مدارس آپ کے ساتھ ہیں، تنظیمات مدارس آپ کے ساتھ ہیں، تمام مکاتب فکر کی تنظیمیں آپ کے ساتھ ہیں، لیکن جب مدرسے کے اجتماعی نظام پر حملہ کیا جاتا ہے اور اجتماعی طور پر ماحول پر تشدد کیا جاتا ہے، وہ دو بندے جو مجرم ہوتے ہیں، جب ان کو اٹھایا جاتا ہے، تو صبح ہم دیکھتے ہیں ساری ہمدردیاں پھر ان (عسکریت پسندوں) کے ساتھ ہوجاتی ہیں اور ہم پھر تنہا ہو جاتے ہیں۔

آج کے بعد ہمیں شک کی نگاہ سے نہ دیکھا جائے؟

علماء کرام کو فورتھ شیڈول میں مستقل مجرم قرار دیا جاتا ہے، اگر میں نے جناب صدر مملکت اگر آپ پر اعتماد کرنا ہے تو آپ نے بھی آج کے بعد ہمیں شک کی نگاہ سے نہیں دیکھنا، دونوں طرف اعتماد ہونا چاہیے تب بات چلے گی، میں آپ پر اعتماد کرتا ہوں، آپ مجھ پر اعتماد کریں، جس طرح آپ آج مجھے اکٹھا کر سکتے ہیں، خدا کی قسم قیامت تک آپ مجھے متحد رکھ سکتے ہیں، کوئی جھگڑا نہیں، ساری تاریخ ہماری ایک ہے۔

صحابہ واہل بیت ہمارے ایمان کی اساس ہیں:

اہل بیتؓ بھی ہمارے ہیں، صحابہ کرامؓ بھی ہمارے ہیں، اہل بیت سے نفرت کرنے والا بھی اپنے ایمان پر نظر رکھے، صحابہ کرامؓ سے نفرت کرنے والا بھی اپنے ایمان پر نظر رکھے، یہ ہماری اساس ہے اگر یہ اساس بیچ سے ہٹ گئی تو میں اور آپ کس سند کے ساتھ دنیا کے سامنے اسلام پیش کریں گے، سند کیا رہ جاتی ہے میری اور آپ کی؟

تو اس اعتبار سے ہم نے آج اس اجتماعیت کو پیدا کرنا ہے، اس وحدت کو پیدا کرنا ہے۔میرا آپ سے اختلاف

بھی ہوسکتا ہے، آپ کا مجھ سے اختلاف بھی ہوسکتا ہے۔ اختلاف کے اپنے گوشے ہیں، ہم اسلام کی ترجیح کو اول درجے میں کیوں نہیں رکھ سکتے۔ اور مسلک کی شناخت کو ہم نے پہلی ترجیح کیوں قرار دیا ہے؟ یہ ہے ہمارے سامنے بڑا سوال جس کی سزا میں بھگت رہا ہوں، میرا گریبان بھی پکڑا جارہا ہے...... وجہ کیا ہے؟ میں ریاست سے پوچھنا چاہتا ہوں ناراض نہ ہونا۔ آج کی مجلس ہی اس لیے ہے۔

اسلام ہمیں اعتدال کا راستہ دکھاتا ہے:

اسلامی نظریاتی کونسل میں تمام مکاتب فکر نے وحدت کا مظاہرہ کیا اور آج تک کر رہے ہیں۔ اب جمہوری راستے سے ہم نے ملک میں اسلام لانا ہے، اب تمام دینی قوتیں یکجا ہوکر آگے بڑھیں گی تو ہاتھ پھر ریاست کے گریبان پر پڑے گا۔ ریاست بہت ہوشیار ہے، ریاستی ادارے بہت ہوشیار ہیں، ایسے حالات پیدا کر لیتے ہیں کہ اسلام کی بات کرنے والے اپنی طاقت ایک دوسرے کے خلاف استعمال کریں تا کہ مجتمع ہوکر وہ ریاست پر دباؤ نہ ڈال سکیں تو یہ ہمارے لیے بھی سبق ہے، ہم بھی سوچیں اس بات پر کہ ہم آپس میں کیوں لڑ رہے ہیں، کیوں تشدد کی طرف جاتے ہیں، اسلام تو ہمیں اعتدال کا راستہ دکھاتا ہے، قرآن کریم ہماری تعلیمات کا منبع ہے جو ہمارے اندر اترتا ہے اور ہمیں انسان بناتا ہے، وہ تو مجھے اعتدال کی امت کہتا ہے، وَكَذٰلِكَ جَعَلنَاكُم اُمَّةً وَّسَطًا تو پھر میرے قرآن سے وابستگی کو شدت پسندی سے کیوں تعبیر کیا جارہا ہے، ہم اعتدال والے ہیں۔ تجزیہ میں فرق ہوسکتا ہے، جب تک میں مذہب کی بات کروں گا، دین کی بات کروں گا، میری طرف نسبت ہوگی یہ بڑے شدت پسند ہیں، ملا لوگ بڑے سخت ہوتے ہیں، لیکن تجزیہ شاید صحیح نہیں ہے۔

ہمارے ملک میں جو لبرلز ہیں وہ بالکل پانی اور مائع ہو چکے ہیں، ان کو ہم کہتے ہیں کہ آپ بہت ہی پگھل گئے ہیں ان کے سامنے، تم ذرا اپنے اندر سختی پیدا کرو ہم ذرا اپنے اندر نرمی پیدا کریں، خیر خیریت سے ملک چلے گا ایک صف میں آجائیں گے سارے لوگ۔ آپ تو عالمی قوتوں کے مقابلے میں پانی بن جائیں اور خود پانی ہوکر میرے اعتدال کو شدت سے تعبیر کریں، پھر یہ انصاف کا تقاضا نہیں ہوگا تم بھی پانی مت بنو، مت جھکو اتنا آگے ٹرمپ جیسا آدمی آپ کی گردن پر سوار ہو جائے، اب عقلمند آدمی کو تو جوب دیا جاسکتا ہے، ٹرمپ کا کیا جواب دو گے۔

اس قسم کی دنیا سے ہمارا واسطہ ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ جس طرح دعوت حکمت کا تقاضا کرتا ہے "اُدعُ اِلٰی سَبِيلِ رَبِّكَ بِالحِكمَةِ وَالمَوعِظَةِ الحَسَنَةِ وَجَادِلهُم بِالَّتِي هِيَ اَحسَنُ" حکمت کے ساتھ دعوت دیا کرو، خوبصورت لب ولہجہ کے ساتھ دعوت دیا کرو، شائستہ انداز کے ساتھ دعوت دیا کرو اور کبھی بحث ومباحثہ کا مسئلہ بھی پیش آجائے تو بھی احسن وشائستہ انداز گفتگو کے ساتھ۔

بین المذاہب مکالمہ کے تصور کی سب سے پہلے ہم نے حمایت کی، ہم بین المذاہب مکالمے کے حق میں ہیں، لیکن بین المذاہب مکالمہ پرامن ماحول چاہتا ہے۔ آپ نے میرے سر پر تلوار لٹکائی ہوئی ہے، آپ میری گردن کو بھی مار رہے ہیں اور مجھے کہتے ہیں کہ مذاکرہ بھی کرو، مکالمہ بھی کرو، میرے سر کے اوپر جنگ کے بادل ہیں، بارود برس رہا ہے، میرے بچے، میری عورتیں مر رہے ہیں، پوری دنیا میں اس کا خون بہہ رہا ہے، آپ میرا خون بھی بہاتے رہیں، اور آپ مجھے مجبور بھی کریں کہ آؤ میرے ساتھ مباحثہ کرو، ہاں ہم مباحثے کے لیے تیار ہیں، آپ بھی تو جنگ بند کردیں۔

ریاست کو میرا مشورہ

میں ریاست کو ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں، امن وامان ہمارا داخلی مسئلہ ہے۔ وزیر داخلہ تشریف فرما ہیں۔ روز اول سے ہم یہ موقف دے رہے ہیں، اس وقت بھی جب 2001ء میں عالمی اتحاد کا حصہ بننے کی بات کی جارہی تھی، ہم نے اس وقت بھی کہا تھا کہ پاکستان کو اس دلدل میں مت ڈالو، امن وامان داخلی مسئلہ ہے، ہم پاکستان کے اندر ان عناصر کے ساتھ نمٹ سکتے ہیں، لیکن بین الاقوامی جنگ کا حصہ بننے کے بعد اس جنگ کو افغانستان کی حدود تک نہیں رکھ سکیں گے۔ پڑوس میں آگ لگ جائے تو اس کو ٹھنڈا کرنے کے لیے پانی ڈالا جاتا ہے، ہماری پالیسی یہ ہے کہ ہم نے افغانستان میں برپا ہونے والی جنگ پر تیل چھڑکنا شروع کیا، جس کے شعلے پاکستان میں داخل ہو گئے۔ اور آج ہم اس سے نبرد آزما ہیں، اپنی پالیسیوں پر بھی نظر ثانی کرنی چاہیے۔ ہماری پالیسی واضح ہے، جو لوگ ہماری ریاست نہیں مانتے وہ تنہا ہیں، ان کو تنہا کرنا پڑے گا، آج کے اس اجتماع میں بھی وہ تنہا ہیں، لیکن ریاست کی سطح پر بھی کئی غلطیاں ہوئی ہیں، اس کے ازالے کے لیے بھی ہم نے بولڈ اسٹیپ لینے ہوں گے، پالیسی اسٹیٹ منٹ دینا ہوگی ہمیں، اور اس طرح ہم پاکستان کے مستقبل کو روشن کرنا چاہتے ہیں، مملکتیں امن سے چلتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرنی چاہیے:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"سلو الله العافيه"** اللہ سے عافیت طلب کرو۔ **"ولا تتمنوا لقاء العدو"** دشمن کے ساتھ آمنا سامنا کرنے کی تمنا نہ کیا کرو۔ جنگ کی خواہش نہ کیا کرو۔ **"واذا لقيتم فاثبتوا"** ہاں اگر مقدر ہے، درپیش ہو جائے، پھر بزدلی نہ کرو، سامنے ڈٹ جاؤ۔ تدریج کے ساتھ بتلایا گیا۔ پہلی چیز عافیت ہے پھر اس کے بعد جنگ کی تمنا کبھی نہ کیا کرو اور اگر درپیش ہو جائے تو پھر ڈٹ جایا کرو۔ میں نے کئی مرتبہ علماء کرام کی خدمت میں عرض کیا ہے کہ جہاد ایک فریضہ شرعی ہے اور جہاد کرنے کا کتنا اجر وثواب ہے اور ساری چیزیں اپنی جگہ پر، لیکن جہاد کا میدان بڑا وسیع ہے صرف بندوق اور وہ بھی اپنی ریاست کے ساتھ اور اس کو جہاد کہنا، اس پر علماء

کرام اتفاق نہیں کرتے آپ کے ساتھ، اختلاف ہے تو اس حوالے سے کوئی ابہام موجود نہیں ہے۔ جو آپ کو وسائل ریاست مہیا کرتی ہے، آئین مہیا کرتا ہے اس میں جو آپ کے بس میں ہے، آپ وہ کرتے جائیں اس سے آگے مت جائیں۔ آپ جلسے کریں، جلوس کریں، پارلیمنٹ میں جائیں، نظریہ پیش کریں، بحث کریں وہاں پر۔ اس اعتبار سے اصل چیز ہے امن۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت:

حضرت ابراہیم جو شرک کے خلاف لڑتے رہے بتوں کو توڑتے رہے اس پاداش میں آگ میں پھینکے گئے، لیکن جب امامت کبریٰ ملی و اذابتلیٰ ابراھیم ربه بکلمات فاتمھن ...... اللہ نے امتحانات لیے اور آپ اس میں کامیاب ہوئے ...... قال انی جاعلک للناس اماما ...... اب آپ انسانیت کے امام بن گئے، امر اجتماعی آپ کے ہاتھ میں آگیا۔ آپ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گفتگو کا زاویہ دیکھیں، و اذ قال ابراھیم رب اجعل ھذا البلد آمنا ...... کرہ ارض کے سب سے بڑے موحد شرک کے خلاف سب سے بڑے مجاہد، لیکن جب امر اجتماعی کی ذمہ داری آئی تو فوراً آپ نے کہا: رب اجعل ھذا البلد آمنا وارزق اھله من الثمرات اب آپ امن کے بھی خواہش مند ہیں اور اقتصادی خوشحالی کے بھی۔ ریاستیں امن سے چلتی ہیں، ریاستیں اقتصادی خوشحالی سے چلتی ہیں۔ اپنے وسائل کو کب ہم استعمال کریں گے تا کہ ہم دنیا کے حاجتوں سے بے نیاز ہو، ہم کرہ ارض پر اللہ کے نائب ہیں، تو جب اللہ ایک ہے تو اس کی نیابت کا تقاضا ہے کہ مومن ایک رہے اگر اللہ بے نیاز ہے تو اس کے بے نیازی کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان دوسروں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائیں، ان کی مدد اور قرضوں سے بے نیاز ہو جائیں۔

ایک خواب:

5,6 سال پہلے غالباً میں بنوں میں تھارات کو میں سویا ہوا تھا تو میں خواب دیکھ رہا ہوں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے فون پر بات کر رہا ہوں، اور حضرت آدم مجھے فرماتے ہیں تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا میں امن چاہتا ہوں، اس کے بعد لائن کٹی نہیں، لیکن خاموشی کا ایک وقفہ ہو گیا، میں سوچتا ہوں کہ میں کچھ کہتا ہوں تو بے ادبی ہے، خاموش مسلسل رہوں تو لائن کٹ جائیگی تو میں نے سلام عرض کیا فرمایا انتظار نہیں کر سکتے؟ ...... انتظار تو کر رہے ہیں ہم، ابا نے کہہ دیا انتظار کرو تو اس انتظار کو سامنے رکھتے ہوئے ہم نے آگے بڑھنا ہے اتفاق رائے سے بڑھنا ہے ہمارے اندر کی روح امن مانگتی ہے۔ (بقیہ صفحہ نمبر 18 پر ملاحظہ فرمائیں)